OPEN ACCESS
MA'ARIF-E-ISLAMI (AIOU)
ISSN (Print): 1992-8556
ISSN (Online): 2664-0171
https://mei.aiou.edu.pk

اصطلاح "ترجمۃ القرآن" کے متعلق معاصر اہل علم کی آراء کا تحقیقی جائزہ

Analytical Research on opinions of Contemporary Scholars about the Term of Quranic Translation

ظہیر احمد
پی ایچ ڈی ریسرچ سکالر، شعبہ قرآن و تفسیر، کلیہ عربی وعلوم اسلامیہ، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد
ڈاکٹر ثناء اللہ
ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ قرآن و تفسیر، کلیہ عربی وعلوم اسلامیہ، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

Abstract

This article represents a critical review of different scholars about the term of "Quranic translation". Since centuries, most of the scholars are agreed on this term and are using this. Some scholars of this "Hijra" century reject them and use the term "Meaning of Quranic Translation" and adopt such new terms. Some scholars are not agreed with them and insist upon this term "Quranic Translation" only. The base of this contradiction is upon the interpretation of the "translation". Some of them represent its lexical meaning and some of them represent its literal meaning. A great majority of the Muslim scholars give very much value to the term "Quranic Translation". Hence, they do not have contradiction in the use of modern terms and all the Muslim scholars are agreed that all the Islamic rules and regulations should be followed in "Quranic translation" in every condition.

اللہ تعالی نے اپنے آخری نبی حضرت محمد ﷺ پر قرآن مجید نازل فرمایا یہ تمام لوگوں کے لئے ہدایت کا ذریعہ ہے خواہ کوئی عربی ہو یا عجمی ہو سب کو اس سے راہنمائی کی ضرورت ہے اس راہنمائی کا حصول، فہم قرآن پر موقوف ہے جس کا ایک اہم ذریعہ ترجمۃ القرآن ہے قرآن کے فہم اور تفہیم کے لیے ترجمۃ القران کی ضرورت واہمیت مسلمہ ہے اسی ضرورت واہمیت کے پیش نظر امت مسلمہ کے اصحاب علم ودانش اس کی جانب متوجہ ہوئے یہاں تک کہ ترجمۃ القرآن، علوم القرآن کی ایک اہم بحث کے طور پر سامنے آیا اس کے مفہوم، شرعی حیثیت، اقسام، اور اصول و قواعد سمیت مختلف امور پر اہل علم نے مختلف ادوار میں سیر حاصل بحث کی ہے

اللہ تعالی کے کلام، قرآن مجید کو دوسری زبان میں منتقل کرنے کے لئے "ترجمۃ القرآن" کی اصطلاح مدت مدید سے امت مسلمہ میں مروج اور مستعمل ہے اس اصطلاح کے استعمال کے بارے میں مختلف اہل علم نے اپنی اپنی آراء اور خیالات کا اظہار کیا ہے یہ آراء اس اصطلاح کے استعمال کے حق میں بھی ہیں اور اس کے خلاف بھی ہیں یہ اختلاف فروعی نوعیت کا ہے بعض اہل علم نے اس اصطلاح کے متعلق یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ ترجمہ قرآن کماحقہ ناممکن ہے اس لئے اسے "ترجمہ قرآن" سے تعبیر کرنے کے بجائے "قرآن کی ترجمانی" یا "مفہوم قرآن" یا "خلاصہ مطالب قرآنی" یا "ترجمہ تفسیریہ" یا "ترجمۃ تفسیر القرآن" یا "ترجمۃ معانی القرآن" کہنا چاہیے جبکہ دوسری طرف بعض اہل علم نے "ترجمۃ القرآن" کی اصطلاح کے متبادل کے طور پر پیش

کردہ ان تمام اصطلاحات کے استعمال کی نفی کی ہے اور فقط "ترجمۃالقرآن" کی اصطلاح کے استعمال پر اصرار کیا ہے اس مختصر مقالہ میں اصطلاح ترجمۃالقرآن کے متعلق معاصر اہل علم کی آراء کا تحقیقی جائزہ پیش کیا گیا ہے

"ترجمہ" اور "قرآن" کا مفہوم

"ترجمۃالقرآن" دو الفاظ کا مرکب ہے ان دو الفاظ میں نسبت اضافت موجود ہے لفظ "ترجمۃ" مضاف ہے اور لفظ "القرآن" مضاف الیہ ہے ترجمہ قرآن کی اصطلاحی تعریف سے قبل مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس مرکب کے دونوں اجزاء یعنی "ترجمۃ" اور "القرآن" کی الگ الگ تعریف بیان کر دی جائے

لفظ "ترجمہ" کی تعریف

ترجمہ کا مادہ "ت، ر، ج اور م" ہے یہ رباعی مجرد کے باب "فعللۃ" کے وزن پر ہے اس میں تا اصلیہ ہے زائدہ نہیں ہے [1] اس لفظ کا استعمال متعدد معانی کے لئے ہوتا ہے جیسا کہ ایک زبان کے کلام کا مفہوم دوسری زبان میں ادا کرنے کے لئے یہ لفظ مستعمل ہے ایسا کرنے والا ترجمان کہلاتا ہے علامہ عینی لکھتے ہیں "الترجمان هو المعبر عن لغة بلغة "علامہ ابن اثیر لکھتے ہیں "الترجمان با لضم والفتح : هو الذى يترجم الكلام ، اى ينقله من لغة الى لغة اخرى والجمع التراجم "علامہ زرقانی نے بھی علامہ ابن اثیر کی مثل لکھا ہے [2] صحیح بخاری کی حدیث میں مذکور لفظ "ترجمان" بھی اسی مفہوم کا عکاس ہے [3] جلیل القدر صحابی رسول، حضرت عبداللہ بن عباس کو ترجمان القرآن کہنے کی بنیاد بھی یہی ہے کہ وہ قرآن کا مفہوم بیان کرنے میں بلند مرتبہ پر فائز تھے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود نے ان کے متعلق کہا تھا نعم ترجمان القرآن ابن عباس [4]

ماہر لسانیات اور معروف محقق جناب جابر علی سید نے لفظ "ترجمان" پر تحقیق کی ہے اور ثابت کیا ہے کہ یہ لفظ عربی نہیں بلکہ یہ معرب ہے، یہ لفظ دراصل فارسی زبان کا لفظ "ترزبان" ہے بعد ازاں تعریب کے عمل سے یہ ترجمان بن گیا یہ تعریب لسانی، صوتیاتی اور تاریخی اعتبار سے ثابت ہے جناب وارث سرہندی نے جابر علی سید کی اس رائے کا رد کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "معرب ہو کر کوئی لفظ عربی ہی کہلائے گا" [5]

کسی کلام کی توضیح و تبیین کے لیے بھی "ترجمہ" کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے جیسا کہ صاحب المصباح المنیر اور علامہ اسمٰعیل جوہری نے لکھا ہے "ترجم فلان كلامه اذا او ضحه و بينه [6] ڈاکٹر محمد حسین ذھبی کی تحقیق کے مطابق لفظ "ترجمہ" کا اطلاق لغت عرب میں دو طرح کے معانی پر ہوتا ہے اولاً، ترجمہ کئے جانے والے کلام کے معنی کی وضاحت کے بغیر اسے ایک زبان سے دوسری زبان میں منتقل کرنا اور ثانیاً کلام کی تفسیر اور اس کے معنی کی وضاحت کسی دوسری زبان میں کرنا [7] ڈاکٹر مناع القطان نے بھی لفظ "ترجمہ" کا اطلاق دو معانی پر کیا ہے لیکن ان کے نزدیک پہلا معنی، ترجمہ حرفیہ ہے اور دوسرا معنی، ترجمہ تفسیریہ یا معنویہ ہے ترجمہ حرفیہ سے ڈاکٹر قطان کی مراد ایک زبان کے الفاظ کو ان کے دوسری زبان کے نظائر کی طرف بایں طور منتقل کرنا ہے کہ دونوں زبانوں کے نظم اور ترتیب میں موافقت پائی جائے اور ترجمہ تفسیریہ یا معنویہ سے مراد نظم و ترتیب کی رعایت کے بغیر ایک

زبان کے کلام کا معنی دوسری زبان میں بیان کرنا ہے [8] لفظ "ترجمہ" کی حقیقت اور اس کی تعریف بیان کرتے ہوئے علامہ پیر محمد چشتی رقمطراز ہیں "ترجمہ اصل کے الفاظ کو دوسری زبان کے ایسے الفاظ میں بدلنے سے عبارت ہے جو ان کے قائم مقام ہو سکیں یعنی ان کی عام متعارف و قابل فہم حیثیات کے مطابق ہوں "ترجمہ ایک مستقل فن ہے اور مستقل فن کی حیثیت سے لفظ "ترجمہ" کی جامع تعریف، اس کے موضوع اور اس کی غرض و غایت کو علامہ پیر محمد چشتی نے ان الفاظ میں قلمبند کیا ہے کہ "ترجمہ ایسا فن ہے جس میں اصل کے الفاظ کو دوسری زبان کے ان الفاظ میں بدل دیا جاتا ہے جو اصل کے قائم مقام ہو سکیں" اور اس کی غرض و غایت، ایک زبان میں لکھے گئے علوم و مضامین کو دوسری زبان میں منتقل کرنا ہے تاکہ اس کے جاننے والے بھی ان سے مستفید ہو سکیں اور اس کا موضوع، مافیہ الترجمہ والی زبان کے وہ الفاظ ہیں جنہیں متن کے الفاظ کے متبادل استعمال کیا گیا ہو[9]

ڈاکٹر علی محمد حسن کی تحقیق کے مطابق "ترجمہ "بیک وقت دو حیثیتوں کا حامل ہے علم لسانیات کی اقسام میں سے ہونے کی وجہ سے یہ علم بھی ہے اور ساتھ ہی ساتھ یہ فن بھی ہے کیونکہ اس میں ذوق، احساس اور معرفت کی ضرورت ہوتی ہے[10]

علامہ زرقانی کے مطابق لفظ ترجمہ درج ذیل چار معانی میں سے کسی ایک معنٰی پر دلالت کے لیے وضع کیا گیا ہے

۱-کلام کو اس شخص تک پہنچانا جس تک نہیں پہنچا

۲-کلام جس زبان میں ہو اسی زبان میں اس کی تفسیر کرنا

۳-کلام جس زبان میں ہو اس کے علاوہ کسی زبان میں اس کی تفسیر کرنا

۴-کلام کو ایک زبان سے دوسری زبان میں منتقل کرنا[11]

عرف عام میں لفظ "ترجمہ" سے یہ چوتھا معنٰی یعنی کلام کو ایک زبان سے دوسری زبان میں منتقل کرنا ہی مراد لیا جاتا ہے لفظ "ترجمہ" کا اطلاق ان چار معانی کے علاوہ ہر اس چیز پر بھی ہوتا ہے جس میں بیان ہو جیسا کہ مؤلفین اپنی

کتابوں میں مختلف ابواب کے عنوان، مقصد اور خلاصہ کے لئے اس لفظ کو استعمال کرتے ہیں اسی طرح کسی شخص کے تذکرہ کے لئے بھی یہ لفظ استعمال کیا جاتا ہے

علامہ زرقانی نے "ترجمہ" کی اصطلاحی تعریف کرتے ہوئے لکھا ہے " (الترجمة) هي التعبير عن معنى كلام في لغة بكلام آخر من لغة اخرى مع الوفاء بجميع معانيه و مقاصده "[12] ڈاکٹر محمد حسین ذھبی نے "ترجمہ" کا مفہوم ان الفاظ میں بیان کیا ہے "ابدال لفظ بلفظ آخر يقوم مقامه"[13] یعنی ایک لفظ کو کسی ایسے دوسرے لفظ کے ساتھ بدلنا جو اس کے قائم مقام ہوتا ہو۔ لفظ "ترجمہ" کے متعلق ڈاکٹر مظفر علی سید نے طویل بحث کی ہے حاصل بحث یہ ہے کہ اردو اور فارسی میں ترجمہ کا لفظ عربی زبان سے آیا ہے اس لفظ کا اشتقاقی ربط، ترجمان اور مترجم دونوں سے ہے اہل لغت نے اس کے جن چار معانی کا ذکر کیا ہے وہ کلام کو ایک سے دوسری زبان میں نقل کرنا، تفسیر و تعبیر، دیباچہ اور تذکرہ شخصی ہیں یہ تمام معانی آپس میں مربوط ہیں[14]

لفظ "ترجمہ" کی لغوی حیثیت پر بحث کرتے ہوئے قاضی محمد اعلیٰ تھانوی لکھتے ہیں "ترجمہ بفتح التاء والجیم ملحق فعللۃ کمایستفادمن الصراح وکنز اللغات در لغت بیان کردن زبانی بزبانی دیگر وزبانی کہ بیان زبان دیگر شود و قائل را ترجمان گویند"[15] یعنی کسی کلام کو ایک زبان سے دوسری زبان میں بیان کرنا، ترجمہ کہلاتا ہے اور ترجمہ کرنے والے کو ترجمان کہتے ہیں۔

ڈاکٹر احمد خان کے مطابق کسی زبان کی اصل تحریر کو کسی دوسری زبان میں منتقل کرنے کو ترجمہ کہا جاتا ہے[16]

مندرجہ بالا تصریحات کی روشنی میں مفہوم ترجمہ کو ان الفاظ میں بیان کیا جاسکتا ہے کہ ترجمہ سے مراد ایک زبان کے کلام کا مفہوم دوسری زبان میں ادا کرنا، کسی کلام کی توضیح و تبیین کرنا، کلام کے نظم و ترتیب کو قائم رکھتے ہوئے اسے دوسری زبان میں منتقل کرنا اور کلام کے الفاظ کو دوسری زبان کے ایسے الفاظ سے بدلنا جو اصل کلام کے قائم مقام ہو سکتے ہوں۔

لفظ "قرآن" کی تعریف

لفظ "قرآن" کے مشتق ہونے یا نہ ہونے کے متعلق اہل علم کی مابین اختلاف پایا جاتا ہے امام ابن کثیر، امام سیوطی اور امام شافعی سمیت ایک جماعت کی تحقیق کی مطابق لفظ "قرآن" اسم علم ہے اور غیر مشتق ہے کلام اللہ کے ساتھ خاص اور غیر مہموز ہے قراءت سے ماخوذ نہیں ہے بلکہ توراۃ اور انجیل کی طرح کتاب اللہ کا نام ہے جبکہ اشعری، فراء اور زجاج سمیت ایک جماعت کی تحقیق یہ ہے کہ لفظ "قرآن" مشتق ہے اس کے لغوی معنی جمع کرنے، شامل کرنے اور پڑھنے کے ہیں۔ کلام اللہ کا نام قرآن رکھنے کی وجہ اس میں سورتوں، آیات، قصص، امر و نہی، وعد اور وعید کا آپس میں ملا ہونا اور ایک دوسرے کے ساتھ جمع ہونا ہے مصدر کو مفعول کا نام دیتے ہوئے اسے الکتاب المقروء کے معنی میں بھی استعمال کیا جاتا ہے یعنی بہت زیادہ پڑھی جانے والی کتاب[17]

قرآن کی اصطلاحی تعریف متعدد اہل علم نے اپنے اپنے علم کے مطابق بیان کی ہے۔ ان تعریفات میں سے ایک اہم تعریف یہ ہے۔ "المنزل علی الرسول المکتوب فی المصا حف المنقول الینانقلا متواترا بلا شبھۃ"[۱۸] قرآن کی یہ اصطلاحی تعریف اپنی جامعیت و مانعیت کے سبب بے حد اہمیت کی حامل ہے یہی وجہ ہے کہ اس تعریف نے علمی حلقوں میں نمایاں طور پر مقبولیت حاصل کی ہے مفتی تقی عثمانی اس تعریف کو سراہتے ہوئے لکھتے ہیں "یہ تعریف تمام اہل علم کے درمیان متفق علیہ ہے اور اس میں کسی کا بھی اختلاف نہیں"[19]

علامہ مناع القطان نے بھی قرآن کا تعارف تفصیلا پیش کیا ہے اور لکھا ہے "کلام اللہ المنزل علی محمد ،المتعبد بتلاوتہ"[۲۰] یعنی قرآن اللہ تعالیٰ کا وہ کلام ہے جو حضرت محمد ﷺ پر نازل کیا گیا اور جس کی تلاوت کے ذریعے عبادت کی جاتی ہے

امام سرخسی قرآن کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں "ھو القرآن المنزل علی رسول اللہ المکتوب فی دفات المصا حف المنقول الینا علی الاحرف السبعۃ المشھورۃ نقلا متواترا"[21] یعنی قرآن وہ ہے جو رسول اللہ ﷺ پر نازل کیا گیا، مصاحف کے دفات میں لکھا گیا اور مشہور سات حروف پر نقل متواترہ کے ساتھ ہماری طرف منقول ہے

سید جرجانی نے قرآن مجید کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے" القرآن : هو المنزل على الرسول ،الكتوب فى المصا حف المنقول عنه نقلا متواترا بلا شبهة"[۲۲] یعنی قرآن وہ ہے جو رسول اللہ ﷺ پر نازل کیا گیا، مصاحف میں لکھا گیا اور آپ ﷺ سے بغیر کسی شبہ کے نقل متواتر کے ساتھ منقول ہے۔ علامہ عبد السلام رسمی نے بھی قرآن مجید کی اصطلاحی تعریف تحریر کی ہے جو یہ ہے "فالقرآن كلام الله و كتاب عربى انزله الله تعا لىٰ على محمد بوحى جلى وهو المنقول الينا نقلاً متواتراً المكتوب فى المصا حف "[23] یعنی قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام اور ایسی عربی کتاب ہے جسے اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کی طرف وحی جلی کے ساتھ نازل فرمایا اور وہ ہماری طرف تواتر کے ساتھ منقول اور مصاحف میں مکتوب ہے

علامہ محمد علی صابونی کے الفاظ میں قرآن کی اصطلاحی تعریف یہ ہے" هو كلام الله المعجز،المنزل على خا تم الانبياء وا لمرسلين بواسطة الامين جبراءيل علىه السلام ،المكتوب فى المصا حف ، المنقول الينا با لتوا تر المتعبد بتلا وته ، المبدوء بسورة الفا تحه ،المختتم بسورة النا س "[24] یعنی قرآن اللہ تعالیٰ کا ایسا معجز کلام ہے جو خاتم الانبیاء والمرسلین ﷺ پر جبرائیل علیہ السلام کے واسطہ سے نازل کیا گیا، مصاحف میں لکھا گیا، تواتر کی ساتھ ہماری طرف نقل کیا گیا، اس کی تلاوت کے ذریعے عبادت کی جاتی ہے سورہ فاتحہ کے ساتھ شروع کیا گیا اور سورۃ الناس کے ساتھ اختتام کیا گیا۔ قرآن کی یہ اصطلاحی تعریف لکھنے کے بعد علامہ محمد علی صابونی اس تعریف کی قدر و قیمت

ظاہر کرتے ہوئے رقمطراز ہیں" هذا التعريف متفق عليه بين العلماء والا صو ليين"[25] یعنی یہ تعریف علماء اور اصولیین کے مابین متفق علیہ ہے

قرآن کے مذکورہ بالا مفہوم کو سامنے رکھتے ہوئے اختصار کے ساتھ قرآن کا تعارف ان الفاظ میں پیش کیا جا سکتا ہے کہ قرآن اللہ تعالیٰ کا معجز کلام ہے جو آخری نبی حضرت محمد ﷺ پر نازل کیا گیا اور جس کی حفاظت کا مکمل اہتمام کیا گیا

لفظ "ترجمہ" اور لفظ "قرآن" کی الگ الگ تعریف و توضیح کے بعد ترجمۃ القرآن کا اصطلاحی مفہوم حسب ذیل ہے **ترجمۃ القرآن کا اصطلاحی مفہوم**

"ترجمۃ القرآن" کا مفہوم بیان کرنے میں قرآنیات کے علماء اپنی مساعی جمیلہ کو بروئے کار لائے ہیں۔ چنانچہ علامہ محمد علی صابونی کی تحقیق کے مطابق ترجمۃ القرآن کا مفہوم درجہ ذیل الفاظ میں واضح کیا گیا ہے

" ترجمة القرآن معناهانقل القرآن الى لغا ت اجنبية اخرٰى غير اللغة العربيةو طبع هذه التر جمة فى نسخ ليطلع عليها من لا يعرف اللغة العر بية(لغة القرآن) و يفهم مراد الله عزوجل من كتا به العزيز بواسطة هذه الترجمة"[۲۶]

ترجمہ قرآن کے مفہوم کو واضح کرتے ہوئے علامہ پیر محمد چشتی نے فلسفیانہ انداز میں طویل بحث کی ہے اس بحث میں انھوں نے ترجمہ قرآن کا مفہوم متعدد بار تحریر کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ترجمۃ القرآن سے مراد قرآن کے الفاظ کو دوسری زبان کے ایسے الفاظ میں بدلنا جو ان کے قائم مقام ہو سکیں[27]

ترجمۃالقرآن کے الفاظ کی قرآن کے الفاظ کے ساتھ مطابقت اور نیابت نا گزیر ہے بصورت دیگر تحریف معنوی کا اندیشہ ہوتا ہے ترجمۃالقرآن کا مفہوم بھی اس بات کا متقاضی ہے کہ یہ لسانی حیثیت میں الفاظ قرآن کے ساتھ مطابقت رکھتا ہو قرآنی لفظ مبتداء ہو تو ترجمہ کا لفظ بھی اس کے مطابق ہو خبر کا ترجمہ خبر ،متعدی کا متعدی ،لازم کا لازم ، فعل معروف کا فعل معروف، فعل مجہول کا فعل مجہول، مذکر کا مذکر، مؤنث کا مؤنث، واحد کا واحد، جمع کا جمع، متکلم کا متکلم، حاضر کا حاضر اور غائب کا غا ئب میں ہو۔ الغرض ترجمہ قرآن کے الفاظ کا کمیت و کیفیت دونوں اعتبار سے الفاظ قرآنیہ کے مطابق ہونا ضروری ہے قرآن کی تعریف کے پیش نظر کسی قرآنی لفظ کے ترجمہ کو کلام اللہ نہیں کہا جاتا اور نہ ہی ترجمہ اعجاز کا حامل ہوتا ہے[28]

ترجمہ کے مختلف اسالیب پر "ترجمۃالقرآن" کا اطلاق

بر صغیر پاک و ہند میں ترجمہ قرآن کے لئے عام طور پر دو قسم کے اسلوب کا رواج رہا ہے ایک لفظی ترجمہ کا اسلوب ہے اور دوسرا بامحاورہ ترجمہ قرآن کا اسلوب ہے بامحاورہ ترجمہ قرآن کی تعریف اہل علم نے اپنی اپنی تحقیق کے مطابق بیان کی ہے علامہ مناع القطان جس ترجمۃالقرآن کو ترجمہ تفسیریہ یا معنویہ کے نام سے موسوم کرتے ہیں وہ بامحاورہ ترجمہ قرآن ہی ہے چنانچہ موصوف کی تعریف کے مطابق بامحاورہ ترجمہ قرآن سے مراد کلام کے معنی کو اصل کلمات کی ترتیب اور اصل کے الفاظ کی رعا یت کی قید کے بغیر دوسری زبان میں بیان کرنا ہے[29]

ترجمہ معنویہ کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے ایک وہ ترجمہ معنویہ جو کہ کلام کے معانی اصلیہ پر مشتمل ہوتا ہے اور ایک وہ ترجمہ معنویہ جو معانی ثانویہ پر مشتمل ہوتا ہے معانی اصلیہ سے مراد وہ معانی لئے جاتے ہیں جن کی اجمالی معرفت و تفہیم میں وہ تمام لوگ برابر ہیں جو مفرد الفاظ کے مدلولات اور ان کی تراکیب کی وجوہ کی معرفت رکھتے ہیں جب کہ معانی ثانویہ سے مراد الفاظ کی وہ خصوصیات ہیں جن کے ذریعے کلام کی شان بلند ہوتی ہے اور انہی کے سبب قرآن معجز ہے علامہ قطان کے نزدیک قرآن کے معانی ثانویہ کو تو دوسری زبان میں منتقل کرنا ناممکن ہے البتہ معانی اصلیہ کو دوسری زبان میں منتقل کرنا ممکن ہے مگر یہ طریقہ فساد سے خالی نہیں ہے کیونکہ قرآن کا ایک لفظ بعض اوقات دو یا دو سے زائد معانی کا احتمال رکھتا ہے اور دوسری زبان میں معانی متعددہ کا محتمل لفظ ملنا مشکل ہوتا ہے اس لیے مترجم کو ایک ہی معنی کا ترجمہ کرتے ہوئے معانی متعددہ کے محتمل لفظ کو ایک معنی تک محدود کرنا پڑے گا نیز قرآن میں موجود ایسے الفاظ جن کا استعمال مجازی معنی کے لئے ہوا ہے اور مترجم انہیں حقیقی معنی پر محمول کرتے ہوئے ترجمہ کر دے یا اس کے برعکس ہو تو دونوں صورتوں میں غلطی واقع ہو جائے گی

[30]فتح الرحمٰن بترجمۃالقرآن کے امتیازی اوصاف کی بحث میں ڈاکٹر مصباح اللہ نے ذکر کیا ہے کہ بامحاورہ ترجمہ کے اسلوب میں مترجم، قرآن کے ہر لفظ کے بدلے میں دوسری زبان کا لفظ لے کر نہیں آتا بلکہ وہ متن قرآن کو غور و فکر کے ساتھ پڑ ھ کر اس کا مفہوم اپنے ذہن میں متعین کر لیتا ہے اور پھر اس مفہوم کا اصل کی روح کے مطابق اور ترتیب الفاظ کو ملحوظ رکھے بغیر دوسری زبان میں ترجمہ کر دیتا ہے[31]

قرآن حکیم کے ترجمہ کا ایک اسلوب ترجمہ تفسیر یہ بھی ہے جسے ترجمہ قرآن کی اقسام میں شمار کیا جاتا ہے علامہ مناع القطان نے قرآن کے ترجمہ حرفیہ کو حرام، ترجمہ بالمعانی الثانویہ کو ناممکن اور ترجمہ بالمعانی الاصلیہ کو ممکن مگر مبنی بر فساد قرار دینے کے بعد جس ترجمہ قرآن کے ساتھ نرمی کا برتاو کیا ہے وہ یہی ترجمہ تفسیر یہ ہے موصوف نے اس کے متعلق لکھا ہے کہ " لا باس بہ "یعنی "اس (ترجمہ تفسیر یہ) میں کوئی حرج نہیں "۔اللہ تعالیٰ کے کلام کی شرح کرنا اور اس شرح کے معنٰی کو دوسری زبان میں منتقل کرنا، ترجمہ تفسیر یہ یا ترجمہ تفسیر القرآن کہلاتا ہے مباحث فی علوم القرآن میں علامہ مناع القطان نے پہلے تو ترجمہ تفسیر یہ اور ترجمہ معنویہ کو ایک ہی قرار دیتے ہوئے دونوں کی ایک ہی تعریف کی ہے کہ ان سے مراد کلام کے معنی کو اصل کے کلمات کی ترتیب اور اس کے الفاظ کی رعایت کی قید کے بغیر دوسری زبان میں بیان کرنا ہے مگر تھوڑا آگے چل کر موصوف نے اس سے مختلف موقف کا اظہار کیا ہے اور ترجمہ تفسیر یہ کو ترجمہ معنویہ سے مختلف قرار دیا ہے اور ان دونوں میں فرق نہ رکھنے والے محققین پر اشارۃً کچھ تنقید بھی کی ہے ترجمہ تفسر یہ کے متعلق ان کی رائے یہ بھی ہے کہ ترجمہ تفسیر یہ کے متعلق مناسب یہ ہے کہ اس بات کی تاکید کر دی جائے کہ یہ مخصوص شخصی فہم کے مطابق ترجمہ ہے جو کہ معانی القرآن کے محتمل وجوہ تاویل کو متضمن نہیں ہے بلکہ صرف اس چیز کو متضمن ہے جس کا ادراک مفسر نے کیا ہے[32]

ترجمہ قران کے مختلف اسالیب کا ذکر کرتے ہوئے ہندوستان کے معروف عالم، علامہ رضی الاسلام ندوی نے ایک اسلوب، ترجمہ تشریحیہ کا بھی ذکر کیا ہے ان کی طرف سے بیان کردہ ترجمہ تشریحیہ کا مفہوم، ترجمہ تفسیر یہ پر بھی صادق آتا ہے موصوف نے ترجمہ تشریحیہ کے متعدد فوائد گنوائے ہیں ان کے نزدیک ترجمہ تشریحیہ میں متن قران کے ہر لفظ کی جگہ دوسری زبان کا لفظ لانے کی قید نہیں ہوتی بلکہ مترجم، قرآن کی ایک یا متعدد آیات کا بغور مطالعہ کرتا ہے اس مطالعہ کے نتیجہ میں جو مفہوم اس کی سمجھ میں آتا ہے اسے وہ دوسری زبان میں بیان کرنے کی سعی کرتا ہے اس میں ترسیل معنٰی کی اہمیت کے پیش نظر قوسین کے اندر یا قوسین کے بغیر توضیحی عبارت کو بھی ترجمہ کا حصہ بنا دیا جاتا ہے موصوف کے خیال میں عام مترجمین کا مختار، ترجمہ قرآن کا یہی اسلوب ہے[33] شاہ ولی اللہ دہلوی کے فارسی ترجمہ قرآن کو ڈاکٹر مصباح اللہ نے لفظی اور تفسیری اسلوب کا حامل قرار دیا ہے کیونکہ اس میں بیک وقت نظم قرآن کی پابندی اور حاصل شدہ معنی و مفہوم کی وضاحت دونوں موجود ہیں اسے تفسیری ترجمہ بھی کہا جا سکتا ہے اور حاصل شدہ معنی و مفہوم کا ترجمہ بھی کہا جا سکتا ہے[34] ڈاکٹر محمود احمد غازی نے بھی محاضرات قرآنی میں ترجمہ تفسیر یہ کے طریقہ کار کے متعلق بحث کی ہے ان کی رائے کا خلاصہ یہ ہے کہ قرآن مجید کی ایک آیت کو لے کر اس کی ترجمانی اس طور پر کی جائے کہ نہ تو وہ لفظی ترجمہ ہو اور نہ ہی بامحاورہ ترجمہ ہو بلکہ اسے ترجمہ کا نام ہی نہ دیا جائے بلکہ اسے ترجمانی کہا جائے اس طریقہ کار کے مطابق مترجم کو کچھ آزادی حاصل ہو جاتی ہے بایں طور کہ وہ ایک عربی جملے کا مفہوم کئی جملوں میں بیان کر سکتا ہے[35]

تمام تراجم میں فوقیت متن کو ہی حاصل ہوتی ہے خصوصاً کتب سماویہ کے تراجم میں متن کو ثانوی حیثیت ہر گز نہیں دی جاسکتی ان کے تراجم میں متن ہی قطعی اور مستقل ہوتا ہے اسے کسی معاشرے میں رواج پانے والے، جملوں کی ساخت کے تابع نہیں کیا جاسکتا اور نہ ہی کسی زبان کی گرائمر کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ آسمانی کتابوں کے جملوں کو اپنے قواعد کے مطابق تبدیل کرے[36] مباحث فی علوم القرآن میں علامہ مناع القطان نے ترجمہ تفسیریہ کو الگ عنوان کے تحت موضوع بحث بنایا ہے اور ترجمہ قرآن کے اس اسلوب کو ہی جائز اور درست قرار دیا ہے وہ اسے ترجمہ تفسیریہ کے علاوہ ترجمہ تفسیر القرآن کے نام سے بھی موسوم کرتے ہیں موصوف کی نظر میں تفسیر کے معنٰی کی بنیاد پر ہی ترجمہ قرآن آسان ہو سکتا ہے لہذا ترجمہ تفسیریہ پڑھنے والوں کو اس بات سے آگاہ کر دینا بہت ضروری ہے کہ یہ تفسیر القرآن کا ترجمہ ہے[37] مباحث فی علوم قرآن میں ڈاکٹر قطان نے ترجمہ تفسیریہ کے عنوان سے جو بحث کی ہے اس کا رد علامہ پیر محمد چشتی نے اپنی تالیف "اصول ترجمہ" میں لکھا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ترجمہ تفسیریہ کے متعلق علامہ قطان کا موقف ترجمۃ القرآن کو مفسرین کی آراء کے تابع کرنے کے مترادف ہے جو کہ آپس میں متضاد بھی ہوتی ہیں ترجمۃ القرآن خود ایک مستقل فن ہے ہر کسی مفسر کی رائے کے تابع نہیں ہو سکتا اور نہ ہی ترجمۃ القرآن کسی مفسر کی رائے کا نام ہو سکتا ہے ترجمۃ القرآن اور تفسیر ان دونوں کے اپنے اپنے اصول، شرائط، احکام،، تعریف، موضوع اور اغراض ہیں اسی وجہ سے نہ تو قرآن کی تفسیر و تشریح کو ترجمہ قرار دیا جاسکتا ہے اور نہ ہی اس تفسیر و تشریح کی کسی تعبیر کو ترجمۃ القرآن قرار دیا جاسکتا ہے ایسا کرنا قرآن کی معنوی تحریف کا راستہ کھولنے کے مترادف ہے جو کوئی چاہے گا اپنے ذہن میں آنے والی تفسیر کے مطابق قرآن کا ترجمہ کر دے گا نیز بدعتی گروہوں کو اپنی من گھڑت تشریحاتِ قرآن کی بنیاد پر ترجمہ کر کے حق کو باطل کے ساتھ خلط ملط کرنے کا موقع مل جائے گا[38]

ترجمہ قرآن کے لئے ایک متبادل اصطلاح "خلاصہ مطالب قرآنی" بھی ہے اس اصطلاح کا استعمال اور اس کی تجویز معروف مذہبی سکالر مفتی محمد شفیع کی جانب سے آئی، موصوف نے زبیر اثری لکھنوی کے تحریر کردہ "منظوم ترجمہ قرآن" پر تقریظ رقم کی ہے اور اس تقریظ میں اس منظوم ترجمہ قرآن کی عدم صحت کا اظہار کیا ہے البتہ مترجم کی قادر الکلامی کی داد دیتے ہو ئے اسے یہ مشورہ دیا ہے کہ اس ترجمہ کو ترجمہ قرآن کے نام سے موسوم نہ کیا جائے بلکہ احتیاط کے تقاضوں کو مد نظر رکھتے ہوئے اسے "خلاصہ مطالب قرآنی" کہا جائے[39] ترجمہ قرآن کی جگہ "مفہوم القرآن" کی اصطلاح بھی مستعمل ہے جیسا کہ ۲۰۰۴ء میں عطاء اللہ عطا قاضی کا تحریر کردہ منظوم ترجمہ قرآن "مفہوم القرآن" کے نام سے شائع ہوا[40] ترجمہ قرآن کی بحث میں تحریر کردہ ڈاکٹر محمود احمد غازی کی رائے کے مطابق قرآن کی ترجمانی کا مطالعہ کرنے والوں کو یہ سمجھ کر مطالعہ کرنا چاہئے کہ یہ قرآن مجید کا ترجمہ نہیں بلکہ اس کے مفہوم کی وضاحت اور تبیین ہے[41]

ترجمہ تفسیریہ اور ترجمہ حرفیہ کی بحث میں علامہ زرقانی نے لکھا ہے کہ حقیقت کے اعتبار سے ترجمہ حرفیہ اور ترجمہ تفسیریہ میں کوئی فرق نہیں ہے کیونکہ دونوں میں ایک زبان کے کلام کے معنٰی کو دوسری زبان کے کلام سے اصل کے معانی اور

مقاصد کی رعایت کے ساتھ تعبیر دی جاتی ہے البتہ ان دونوں اقسام میں صورۃ کے اعتبار سے فرق ہے وہ اس طرح کہ ترجمہ حرفیہ میں اصل کے ہر مفرد لفظ کے مقابلے میں لفظ لایا جاتا ہے جب کہ ترجمہ تفسیریہ میں ایسا نہیں ہوتا[42] ترجمہ تفسیریہ کے اسلوب سے استفادہ کرنے والے مترجمین قرآن میں سے بعض تو تفسیری اضافہ کو قوسین میں بند کر دیتے ہیں جس سے ترجمہ قرآن پڑھنے والوں کو بآسانی فرق معلوم ہو جاتا ہے کہ قوسین کے اندر تفسیری اضافہ ہے اور قوسین کے علاوہ متن قرآن کا ترجمہ ہے جب کہ بعض مترجمین تفسیری اضافہ کا اندراج قوسین کے بغیر کرتے ہیں جس کی وجہ سے پڑھنے والوں کو امتیاز کرنا دشوار ہو جاتا ہے کہ متن قرآنی کا ترجمہ کونسا ہے اور تفسیری اضافہ کون سا ہے تفسیری اضافہ کو متن قرآنی کے ساتھ مخلوط کر دینے والوں کے طرز عمل کو اہل علم نے قابل اعتراض ٹھہرایا ہے کیونکہ ایسا کرنے سے قارئین تفسیری اضافہ کو بھی متن قران کا ترجمہ سمجھنے کی غلطی میں مبتلا ہو جاتے ہیں[43]

تفسیری ترجمہ میں تفسیری اضافہ کے متعلق مذکور بالا رائے کے مطابق ترجمہ قرآن مجید میں تفسیری اضافہ قوسین کے اندر ہو تو ناقابل اعتراض ہے اور قوسین کے بغیر ہو تو قابل اعتراض ہے اس رائے میں تھوڑا اضافہ کرتے ہوئے یوں کہا جا سکتا ہے کہ ترجمۃ القران میں تفسیری اضافہ سوائے حالت مجبوری کے ہونا ہی نہیں چاہیے اور حالت مجبوری میں کیا گیا اضافہ بھی قوسین کے اندر ہونا ضروری ہے تاکہ اسے ترجمہ قرآن کا حصہ نہ سمجھا جائے اور قارئین بآسانی متن قرآن کے ترجمہ اور تفسیری اضافہ میں امتیاز کر سکیں۔

جہاں ترجمہ قران کی تقسیم کے قائلین نے اسے مختلف اقسام میں تقسیم کرتے ہوئے ہر قسم پر اجمالاً یا تفصیلاً بحث کی ہے وہیں ایک آواز ایسی بھی ہے جو اس تقسیم کے ہی خلاف ہے اور وہ آواز "اصول ترجمہ" کے مؤلف، علامہ پیر محمد چشتی کی ہے موصوف نے ترجمہ قرآن کی تقسیم پر نقد کیا ہے اور اس تقسیم کی پُرزور مخالفت کی ہے موصوف نہ صرف لفظی ترجمہ قرآن کو ترجمہ قرآن کی ایک قسم تسلیم کرنے سے انکار کرتے ہیں بلکہ لفظی ترجمہ قرآن پر ترجمہ کا اطلاق ہی درست نہیں مانتے چنانچہ وہ لکھتے ہیں "جس چیز کو لفظی ترجمہ قرآن کہا جاتا ہے وہ ترجمہ قرآن نہیں بلکہ ترجمہ الفاظ القرآن ہے جسے ترجمہ والی زبان کے حوالے سے مفردات کی تفسیر اور تعریف لفظی بھی کہا جا سکتا ہے جس پر ترجمۃ القرآن کا حمل درست نہیں کیونکہ قرآن محض الفاظ کا نام نہیں ہے بلکہ الفاظ و معانی کے مجموع مرکب سے عبارت ہے"[44] صاحب اصول ترجمہ کے نزدیک عرف عام میں ترجمۃ القرآن کی قطعاً کوئی تقسیم نہیں ہے ترجمۃ القرآن کے مقصد اور غرض وغایت کو دیکھتے ہوئے لفظی ترجمہ قرآن کو عرفی مفہوم کے اعتبار سے ترجمہ شمار نہیں کیا جا سکتا کیونکہ اس سے متن قرآن سے افادہ کا مقصد پورا نہیں ہوتا صرف مفردات قرآنیہ سے افادہ ہو پاتا ہے قرآن اللہ تعالی کا کلام ہے اس کلام کے ترجمہ کی لفظی اور بامحاورہ ترجمہ میں تقسیم پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ تحت اللفظ ترجمہ کو ترجمہ قرآن کی ایک مستقل قسم بمقابلہ بامحاورہ ترجمہ کیوں شمار کیا جاتا ہے حالانکہ کسی بھی کلام کا ترجمہ فوق اللفظ نہیں

ہوتا معروف ترجمہ ہوتا ہی تحت اللفظ ہے ہر ترجمہ کا متن فوقیت رکھتا ہے اسی کو اصل کہا جاتا ہے جبکہ ترجمہ اس اصل کے ماتحت بتابع اور فرع کی حیثیت سے ہوتا ہے اور اس کا اصل کے قائم مقام اور مطابق ہونا ضروری ہے [45]

سطور بالا میں مذکور بامحاورہ ترجمہ قرآن کے تعارف سے معلوم ہوتا ہے کہ بامحاورہ ترجمہ قرآن، فقط الفاظ قرآن کے ترجمہ کو نہیں کہا جاسکتا کیونکہ قرآن الفاظ و معانی کے مجموعہ کا نام ہے الفاظ اس حیثیت سے کہ وہ معانی پر دلالت کرنے والے ہیں اور معانی اس حیثیت سے کہ ان پر الفاظ کی دلالت ہوتی ہے لہذا قرآن کا بامحاورہ ترجمہ وہی ہے جس میں الفاظ و معانی کے مجموعہ یعنی قرآن کا ترجمہ کیا جائے اور ترجمہ کے الفاظ، متن کے الفاظ کے قائم مقام ہونے کی صلاحیت رکھتے ہوں نیز ترجمہ والی زبان کا محاورہ قرآنی محاورہ کے تابع اور مطابق ہو الغرض بامحاورہ ترجمہ ہی لغوی اور اور عرفی دونوں اعتبار سے ترجمہ کہلا سکتا ہے لفظی ترجمہ پر ترجمہ کا اطلاق فقط لغوی اعتبار سے ہوتا ہے قرآن سمیت کسی بھی کلام کا بامقصد ترجمہ وہی ہوتا ہے جو بامحاورہ ہو [46]

ترجمۃالقرآن یا قرآن کی ترجمانی

علوم القرآن کے باب میں ترجمۃالقرآن کی بحث کے دوران یہ سوال بھی زیر بحث آتا ہے کہ یہ اصطلاح قابل استعمال بھی ہے یا نہیں اس سوال کا جواب اہل علم نے مختلف انداز میں دیا ہے بعض اہل علم ترجمۃالقرآن کو ناممکن خیال کرتے ہوئے اس اصطلاح کو نامناسب قرار دیتے ہیں اور اسکے متبادل ایک دوسری اصطلاح یعنی قرآن کی ترجمانی کو موزوں قرار دیتے ہیں چنانچہ معروف محقق ڈاکٹر احمد خان کے مطابق، قرآن حکیم کا جو بھی کسی زبان میں ترجمہ کہا یا بیان کیا گیا ہے وہ ترجمہ نہیں ہوا اور نہیں ہوتا کیونکہ یہ کسی انسان کی سکت ہی نہیں کہ وہ وحی الہی کی لسانی خوبیوں اور معنوی جامعیتوں کو قائم رکھتے ہوئے دوسری زبان میں منتقل کر سکے زیادہ سے زیادہ اس کی ترجمانی ہو سکتی ہے۔ [47]

ترجمہ قرآن کی مسائل اور انکے حل پر بحث کرتے ہوئے ڈاکٹر محمد سلیم لکھتے ہیں "قرآن کریم کا ترجمہ کرنا تو بہت مشکل ہے ہاں اس کلام پاک کی ترجمانی ہو سکتی ہے [48]

سید ابوالاعلیٰ مودودی نے بھی قرآن کی ترجمانی کی اصطلاح کو پسند کیا ہے چنانچہ وہ اپنی تفسیر تفہیم القرآن کے دیباچہ میں لفظی ترجمے کی ایک خوبی اور کئی خامیوں کا ذکر کرنے کے بعد ترجمانی کی افادیت اور اس کے اسلوب کی وضاحت اور اس کو اختیار کرنے کا سبب بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ لفظی ترجمے کے طریقے میں کسر اور خامی کے یہی وہ پہلو ہیں جن کی تلافی کرنے کے لیے میں نے "ترجمانی" کا ڈھنگ اختیار کیا ہے میں نے اس میں قرآن کے الفاظ کو اردو کا جامہ پہنانے کی بجائے یہ کوشش کی ہے کہ قرآن کی ایک عبارت کو پڑھ کر جو مفہوم میری سمجھ میں آتا ہے اور جو اثر میرے دل پر پڑتا ہے اسے میں حتی الامکان صحت کے ساتھ اپنی زبان میں منتقل کردوں اسلوب بیان میں ترجمہ پن نہ ہو اور عربی مبین کی ترجمانی اردوئے مبین میں ہو [49] معروف محقق ڈاکٹر محمود احمد غازی نے بھی قرآن کے ترجمہ کی جگہ ترجمانی کی اصطلاح کو ترجیح دی ہے ان کے بقول قرآن مجید کی ایک

آیت کو لے کر اس کی ترجمانی اس طور پر کی جائے کہ نہ تو وہ لفظی ترجمہ ہو اور نہ ہی بامحاورہ ترجمہ ہو بلکہ اسے ترجمہ کا نام ہی نہ دیا جا ئے بلکہ اسے ترجمانی کہا جائے[50]

دوسری طرف بعض اہل علم ایسے بھی ہیں جو اس بات کا اعتراف تو کرتے ہیں کہ قرآن کے ترجمہ کا حق ادا نہیں ہو سکتا مگر اس کے باوجود ترجمۃ القرآن کی اصطلاح کو جائز اور قابل استعمال قرار دیتے ہیں بلکہ بعض تو ترجمہ کی جگہ ترجمانی کا لفظ استعمال کرنے کو نامناسب خیال کرتے ہیں جیسا کہ علامہ پیر محمد چشتی نے فن ترجمہ پر بہت تفصیل سے بحث کی ہے اور اس بحث میں انہوں نے ترجمہ کی جگہ ترجمانی کی اصطلاح کے استعمال کو غلط قرار دیا ہے اور ان کے نزدیک ترجمہ اور ترجمانی ایک دوسرے سے جدا ہیں ترجمہ ایک مستقل فن ہے اور ترجمانی اسم منسوب ہے اس کی نسبت ترجمان کی طرف ہے جس کا اطلاق ایک زبان کے کلام کو دوسری زبان کے الفاظ میں منتقل کرنے والے پر بھی ہوتا ہے، ایک زبان کے کلام کی تعبیر و تفسیر دوسری زبان میں کرنے پر بھی ہوتا ہے ،الفاظ مفردہ کے معانی منتقل کرنے والے ، مجموع کلام کو دوسری زبان میں منتقل کرنے والے ، تحریری کلام کو دوسری زبان میں منتقل کرنے والے اور تقریر کو دوسری زبان میں منتقل کرنے والے پر بھی ہوتا ہے دوسری جانب "ترجمہ" مستقل فن کی حیثیت سے اپنا جداگانہ مفہوم رکھتا ہے چونکہ ترجمہ اور ترجمانی دونوں کے حقائق عام وخاص کی تفریق کے ساتھ ایک دوسرے سے جدا ہیں اس لیے ترجمانی کو ترجمہ کا نام دینا یا ترجمہ کو ترجمانی کا نام دینا درست نہیں[51]

ترجمۃ القرآن یا ترجمۃ معانی القرآن

ترجمۃ معانی القرآن کا مفہوم بیان کرنے کے لیے "ترجمۃ"، "معانی" اور "القرآن" کا مفہوم سامنے رکھنے کی ضرورت ہے لفظ "ترجمہ" اور لفظ "قرآن" کا مفہوم مذکورہ بالا سطور میں بیان ہو چکا ہے لفظ "معانی" کا مفہوم یہ ہے کہ "معانی" کا مادہ "ع، ن، ی" ہے جو کہ تفسیر، تاویل، مقصد، مراد اور حال سمیت کئی معانی پر دلالت کرتا ہے احمد بن یحی کا قول ہے" المعنیٰ و التفسیر والتا ویل واحد " [52]یعنی معنی، تفسیر اور تاویل ایک ہی ہیں المعجم الوسیط میں ہے" المعنیٰ : ما یدل علیه اللفظ (والجمع) : معان و المعانی"[۵۳]یعنی معنی وہ ہے جس پر لفظ دلالت کرتا ہے اور اس کی جمع معانی ہے

لفظ "معانی" کی اس بحث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا اطلاق ایسے معانی پر ہوتا ہے جن کی مراد تقریباً ایک ہی ہے اس لفظ کی قرآن کی طرف نسبت کریں تو "معانی القرآن" کی اصطلاح بنتی ہے معانی القران سے مراد ایسا علم ہے جو الفاظ قرآنیہ کے مدلولات اور مطالب و مقاصد پر دلالت کرتا ہے

حضرت ابوہریرہ سے مرفوعاً روایت ہے "اعربو القرآن والتمسو ا غرایبه"یعنی "قرآن کو اعراب دو اور اس کے غرائب کو تلاش کرو" امام جلال الدین سیوطی نے اس حدیث میں مذکور اعراب کے متعلق لکھا ہے

" المراد با عرابه: معرفة معانی الفا ظه، ولیس المراد به الا عراب المصطلح علیه النحاة "[٥٤] یعنی قرآن کے اعراب سے مراد اس کے الفاظ کے معانی کی معرفت ہے اور اس سے وہ اصطلاحی اعراب مراد نہیں جو نحاۃ کے نزدیک ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود کا قول ہے کان الرجل منا اذا تعلم عشر آیا ت لم یجا وزهن حتیٰ یعرف معانیهن والعمل بهن[55] یعنی ہم میں سے کوئی آدمی جب دس آیات سیکھ لیتا تو ان سے آگے نہ بڑھتا یہاں تک کہ ان کے معانی اور ان پر عمل جان لیتا۔

ترجمۃالقرآن کی اصطلاح صدیوں سے اہل علم کے یہاں مستعمل اور معروف ہے اصحاب علم و فضل میں سے کسی نے بھی اسے محل اعتراض خیال نہیں کیا اور نہ ہی اس کی تغلیط کی ہے علامہ مناع القطان نے اولاً ترجمۃالقرآن کے متبادل ایک نئی اصطلا ح "ترجمۃ معانی القرآن" کو اپنی کتاب مباحث فی علوم القرآن میں ذکر کیا[56]

علامہ مناع القطان کی متعارف کردہ اس اصطلاح کو رفتہ رفتہ اکثر اہل عرب اور بعض اہل عجم نے استعمال کرنا شروع کر دیا پھر نوبت یہاں تک آئی کہ بعض علماء نے صدیوں سے امت مسلمہ میں مروج اور مستعمل اصطلاح

"ترجمۃالقرآن" کو غلط قرار دے دیا جیسا کہ حافظ عتیق الرحمٰن کیلانی رقمطراز ہیں

مختلف زبانوں کا طالب علم ہونے کے ناطے میں یہ بات وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ کسی بھی نص کا بعینہ ترجمہ کسی دوسری زبان میں پیش کرنا انسانی بساط سے باہر ہے انتہائی کامیاب مترجم بھی صرف قریب ترین مفہوم پیش کر سکتا ہے جس سے گزارا چل جاتا ہے یہ تو عام عبارات کا حال ہے قرآن کریم کی آیات تو ویسے بھی معجزہ ہیں ان کا ترجمہ کیسے ممکن ہے؟ یہی وجہ ہے کے علماء نے "ترجمۃالقرآن" کو غلط عبارت قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ درست عبارت "ترجمۃ معانی القرآن" ہے[57]

ترجمۃ معانی القرآن کی اصطلاح اہل عرب میں تو عام ہو چکی ہے جبکہ اہل عجم میں رفتہ رفتہ متعارف ہو رہی ہے جب کہ دوسری طرف اس اصطلاح پر نقد بھی موجود ہے علامہ زرقانی کے نذدیک ترجمۃالقرآن کو ترجمۃ معانی القرآن کے نام سے موسوم کرنا جائز نہیں ہے وہ لکھتے ہیں "ولا یجوز ایضًا ان تسمی ترجمة معانی القرآن"[58]

علامہ زرقانی کی اپنے اس موقف پر پیش کردہ اہم دلیل کا خلاصہ یہ ہے کہ لفظ ترجمہ کی اضافت فقط الفاظ کی طرف ہی ہو سکتی ہے معانی کی طرف نہیں ہو سکتی۔[59]

علامہ پیر محمد چشتی کی نظر میں ترجمۃالقرآن کو ترجمۃالقرآن یا کلام اللہ کا ترجمہ کہنا تو درست ہے لیکن اسے ترجمۃ الفاظ القرآن یا ترجمۃ معانی القرآن کہنا درست نہیں ہے کیونکہ قرآن الفاظ و معانی دونوں سے مجموع مرکب کا نام ہے "ترجمۃ معانی القرآن" کی اصطلاح پر عدم جواز کا حکم لگاتے ہوئے موصوف نے اپنے موقف پر دلائل بھی دیے ہیں انکی ایک اہم دلیل کا خلاصہ یہ ہے کہ اس اصطلاح میں لفظ "ترجمہ" مضاف اور "معانی القرآن" مضاف الیہ ہے اور یہ بات طے ہے کہ مضاف اور مضاف الیہ میں مغایرت ضروری ہے کیونکہ کسی چیز کا اپنی ذات کی طرف مضاف ہونا غیر معقول ہے اور اس اصطلاح میں مغایرت مفقود

ہے کیونکہ ترجمہ کے الفاظ کے سوا معانی القرآن کا وجود ہی نہیں ہے پس ترجمۃ معانی القرآن کی اصطلاح، عربی محاورہ اور عجمی انداز کلام دونوں کے لحاظ سے درست نہیں ہے[60]

ترجمہ اور تفسیر کا فرق

ترجمہ تفسیر یہ اور ترجمانی دونوں یکساں مفہوم کے حامل ہیں اور دونوں کا اطلاق ترجمہ قرآن پر بھی کیا جاتا ہے مگر بعض صاحبان علم اس اطلاق کو درست قرار نہیں دیتے بلکہ ان دونوں میں کئی لحاظ سے فرق کرتے ہیں جیسا کہ علامہ پیر محمد چشتی نے قران کی ترجمانی کے ترجمہ قرآن پر اطلاق کے عدم جواز پر بحث کی ہے اور اس بحث میں ان دونوں کا فرق متعدد وجوہ سے بیان کیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ سب سے پہلے ان کے تعارف کے اعتبار سے ان میں یہ فرق ہے کہ ترجمہ، الفاظ قرآن کو دوسری زبان کے ایسے الفاظ سے بدلنے کا نام ہے جو اصل کے قائم مقام ہو سکتے ہوں جبکہ ترجمانی، قرآن کے معانی اصلیہ کو دوسری زبان میں تعبیر دینے کا نام ہے، دوسرا فرق یہ ہے کہ ترجمانی فقط معانی سے متعلق ہے جب کہ ترجمہ کا تعلق الفاظ و معانی دونوں سے ہے، تیسرا فرق یہ ہے کہ ترجمانی کا صحیح ہونا ترجمہ کے صحیح ہونے پر موقوف ہے جب کہ ترجمہ کا صحیح ہونا ترجمانی کے صحیح ہونے پر موقوف نہیں ہے، چوتھا فرق یہ ہے کہ ترجمہ کو اہل عرف اور جمہور، معنوی قرآن کہتے ہیں جب کہ ترجمانی کو معنوی قرآن نہیں کہا جاتا، پانچواں فرق یہ ہے کہ ترجمہ کے متعلق بعض ایسے شرعی احکام موجود ہیں جو ترجمانی کے لئے ثابت نہیں ہیں مثلاً ترجمہ قرآن کو بغیر طہارت چھونے کا عدم جواز ترجمانی کے لئے ثابت نہیں ہے[61]

سطور بالا میں ترجمہ اور ترجمانی کے متعلق جس موقف کا ذکر کیا گیا ہے تقریباً یہی موقف ڈاکٹر محمود احمد غازی نے بھی اختیار کیا ہے ان کے بقول ترجمانی کو ترجمہ نہیں کہنا چاہیے[62] قرآن کے ترجمہ اور ترجمانی میں فرق کا اظہار سید ابوالاعلیٰ مودودی کی رائے سے بھی ہوتا ہے موصوف نے ترجمے کے طریقے کو چھوڑ کر آزاد ترجمانی کا طریقہ اختیار کیا ہے اور اس کی وجہ یہ بتائی ہے کہ ترجمہ کی ضرورت متعدد مترجمین پوری کر چکے ہیں اس سلسلے میں اب مزید کوشش کی ضرورت باقی نہیں رہی لیکن کچھ ضرورتیں ایسی ہیں جو ترجمہ سے نہیں بلکہ ترجمانی سے ہی پوری ہو سکتی ہیں انہی ضرورتوں کو پورا کرنے کی خاطر موصوف نے ترجمہ کے بجائے ترجمانی کا اسلوب اختیار کیا ہے[63]

ترجمہ خواہ لفظی ہو یا بامحاورہ ہو یا تفسیری ہو اس کی حیثیت تفسیر کی نہیں ہوتی ترجمہ اور تفسیر میں کئی وجوہ سے فرق ہے ترجمہ کے الفاظ، متن کے الفاظ کے قائم مقام ہونے کی صلاحیت رکھتے ہیں جبکہ تفسیر میں ایسا نہیں ہوتا ترجمہ میں اضافی الفاظ کو شامل نہیں کیا جا سکتا جبکہ تفسیر میں ایسا ہو سکتا ہے ترجمہ میں اصل کے تمام معانی کے بیان کی سعی کی جاتی ہے جبکہ تفسیر میں فقط وضاحت مقصود ہوتی ہے ترجمہ میں نقل کردہ تمام معانی اصلا کلام کے مدلول اور قائل کی مراد شمار ہوتے ہیں جبکہ تفسیر میں ایسا نہیں ہے

علامہ زرقانی نے بھی ترجمہ و تفسیر کے اس فرق کو اسی طرح بیان کیا ہے ان کی بحث کا خلاصہ یہ ہے ترجمہ کا صیغہ ایسا مستقل صیغہ ہے جس میں اس کے اپنی اصل سے استغناء اور اپنی اصل کی جگہ حلول کی رعایت کی جاتی ہے اور تفسیر میں ایسا نہیں ہے، ترجمہ میں استطراد جائز نہیں ہے جبکہ تفسیر میں استطراد جائز ہے بلکہ کبھی واجب بھی ہوتا ہے، ترجمہ عرف کے اعتبار سے اصل کے تمام معانی و مقاصد کو پورا کرنے کے دعوی کو متضمن ہوتا ہے جبکہ تفسیر میں ایسا نہیں ہے، ترجمہ عرف کے اعتبار سے اس دعوائے اطمینان کو بھی متضمن ہوتا ہے کہ وہ تمام معانی و مقاصد جو مترجم نے نقل کیے ہیں وہ اصل کے کلام کے مدلول ہیں اور یہی صاحب اصل کی اس سے مراد ہے جب کہ تفسیر میں ایسا نہیں ہے۔ علاوہ ازیں علامہ زرقانی ترجمہ و تفسیر کے متعلق یہ بھی لکھتے ہیں کہ ترجمہ حرفیہ اور ترجمہ تفسیریہ دونوں تفسیر کے علاوہ ہیں خواہ تفسیر اصل کی لغت میں ہو یا اصل کی لغت کے بغیر ہو لیکن کثیر کاتبین پر یہ معاملہ مشتبہ ہو گیا اور انہوں نے یہ گمان کر لیا کہ ترجمہ تفسیریہ اصل کی لغت کے بغیر تفسیر ہے یا وہ اصل کی تفسیر کا ترجمہ ہے [64]

قرآن کی تفسیر خواہ عربی میں ہو یا غیر عربی میں ہو وہ ترجمہ تفسیریہ یا ترجمہ حرفیہ سے الگ چیز ہے کچھ لوگوں نے اشتباہ کی بنیاد پر تفسیر قرآن اور ترجمہ تفسیریہ کو ایک ہی چیز خیال کیا ہے اور اسی وجہ سے ترجمہ تفسیریہ کو اصل کے ترجمہ کا مصداق تسلیم نہیں کیا اس التباس و اشتباہ کی وجہ سے ترجمہ تفسیریہ کے ترجمہ قرآن ہونے میں اختلاف واقع ہوا [65]

قرآن مجید کے ترجمہ اور اس کی تفسیر کے درمیان موجود گہرے اور مضبوط تعلق کے باعث ان دونوں کو ایک دوسرے سے جدا کرنا اس طرح آسان نہیں جس طرح باقی کتب کے تراجم اور شروح کو جدا کرنا آسان ہے عام طور پر تفاسیر کے ساتھ ترجمہ قرآن بھی شامل ہوتا ہے اس بنا پر دیکھا جائے تو ہر ترجمہ قرآن کے ضمن میں تفسیر بھی آتی ہے [66]

اصطلاح ترجمۃ القرآن کے استعمال کی چند امثلہ

امت مسلمہ کے متعدد مشہور و معروف اہل علم نے ترجمۃ القرآن کی اصطلاح کو اپنی تحریروں میں استعمال کیا ہے ان کا یہ عمل اس امر کا واضح ثبوت ہے کہ یہ اصطلاح امت مسلمہ میں صدیوں سے رائج اور مستعمل ہے نیز ان کے عمل سے اس امر کا بھی اظہار ہوتا ہے کہ پرانے علماء میں اس اصطلاح کے متعلق اتفاق پایا جاتا تھا اس سلسلے میں اختلاف رائے کا آغاز موجودہ صدی ہجری کہ بعض اہل علم نے کیا ترجمۃ القرآن کی اصطلاح استعمال کرنے والے اہل علم میں سے چند اسماء درج ذیل ہیں

علامہ نووی نے المجموع میں ترجمۃ القران کی اصطلاح متعدد بار استعمال کی ہے مثلاً وہ نماز میں ترجمۃ القرآن کی قرآت کے عدم جواز پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں "تر جمة القرا ن ليست قرآنا با جما ع المسلمين[٦٧]

علامہ ابن قدامہ نے بھی المغنی میں "ترجمۃ القران" کی اصلاح کو استعمال کیا ہے وہ لکھتے ہیں "قا م بعض المرتدين من ا عا جم هذا العصر يدعون الیٰ ترجمة القر ان وغيره من الا ذكا ر والتعبد با لتر جمة"[68]

اسی طرح علامہ محمد کمال الدین ابن ہمام نے بھی یہ اصطلاح استعمال کی ہے وہ لکھتے ہیں۔ "ان اعتا د القراءة

با لفا رسیة اور اراد ان یکتب مصحفاً بھا یمنع فا ن کتب القرآن و تفسیر کل حرف و تر جمتہ جا ز"[69]

حافظ ابن تیمیہ حنبلی نے بھی "ترجمۃ القرآن" کی اصطلاح استعمال کی ہے وہ لکھتے ہیں

" واما الا ذکارالواجبة: فا ختلف فی منع تر جمة القر آن"[70]

شاہ ولی اللہ کا ترجمہ قرآن فتح الرحمن بترجمہ القرآن کے نام سے موسوم ہے جیسا کہ انہوں نے خود اس نام کو ذکر کیا ہے وہ اپنے لیے تفسیر کے علوم وہبیہ میں اپنے فارسی ترجمہ قرآن کا شمار کرتے ہوئے لکھتے ہیں" دیگر تر جمہ بزبان فا رسی بو جہے کے مشا بہ عر بی با شد در قدر کلا م ودر تخصیص و تفہیم وغیر آں ------وآں ادر "فتح الرحمن بتر جمة القرآن "ثبت نمود یم"[71]

خلاصۃ

اس آرٹیکل میں ترجمہ القران کی اصطلاح کے متعلق مختلف سکالرز کی آراء کا تحقیقی جائزہ پیش کیا گیا ہے اکثر مسلم سکالرز صدیوں سے رائج اس اصطلاح سے مطمئن ہیں اور اسے استعمال کر رہے ہیں موجودہ صدی ہجری کے بعض سکالرز نے اس اصطلاح کو مسترد کرتے ہوے اس کی جگہ "ترجمۃ معانی القران" اور اس جیسی کچھ نئی اصطلاحات کو اپنایا ہے۔ بعض مسلم سکالرز نے ان سے اتفاق نہیں کیا اور فقط "ترجمۃ القران" کی اصطلاح کو استعمال کرنے پر زور دیا۔ اس اختلاف کی بنیاد لفظ "ترجمہ" کی تعریف پر ہے۔ بعض نے اس کی لغوی اور بعض نے اصطلاحی تعریف کو پیش نظر رکھا ہے مسلم سکالرز کی بڑی اکثریت ترجمۃ القرآن کی اصطلاح کو زیادہ اہمیت ضرور دیتی ہے تاہم انہیں جدید اصطلاحات کے استعمال پر کوئی اعتراض نہیں ہے اور اس بات پر تمام مسلم سکالرز متفق ہیں کہ ترجمۃ القرآن کے لیے تمام اسلامی اصولوں اور شرائط کی پابندی ہر حال میں ضروری ہے

ترجمۃ القرآن اور قرآن کی ترجمانی کے ایک دوسرے پر اطلاق کے سلسلہ میں سطور بالا میں دو قسم کی آراء کا ذکر کیا گیا ہے پہلی رائے جواز اور دوسری عدم جواز کی مظہر ہے دونوں فریقوں کی آراء پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس اختلاف رائے کی بنیاد لفظ "ترجمہ" کا مفہوم ہے فریق اول نے "ترجمہ" کے لغوی مفہوم کو پیش نظر رکھتے ہوئے ترجمہ کی جگہ ترجمانی کی اصطلاح کا استعمال درست قرار دیا ہے جبکہ فریق ثانی نے "ترجمہ" کی اصطلاحی تعریف کے پیش نظر اس پر "ترجمانی" کے اطلاق کو غلط قرار دیا ہے ترجمہ اور ترجمانی کے لغوی اور

اصطلاحی مفہوم کی جانب عدم التفات کے نتیجے میں مذکورہ عبارت میں ترجمانی کو ترجمہ کے نعم البدل کے طور پر ذکر کیا گیا ہے ترجمہ قرآن واقعی بہت مشکل کام ہے مگر ناممکن نہیں ہے ورنہ "تکلیف ما لا یطاق "لازم آئے گا پس ترجمہ قرآن کی مشکلات کا حل تلاش کرنا ضروری ہے اور یہ حل ترجمہ کو ترجمانی قرار دینا نہیں البتہ ترجمہ کی مختلف اقسام ہیں جن میں تفسیری و تشریحی ترجمہ بھی شامل ہے اسی تفسیری و تشریحی ترجمہ کا مفہوم "ترجمانی" میں بھی موجود ہے لہذا ترجمہ کے لغوی مفہوم کو سامنے رکھتے ہوئے ترجمانی کی اصطلاح کے استعمال کی گنجائش موجود ہے

ترجمۃ القرآن اور ترجمۃ معانی القرآن سے متعلق مذکورہ آراء پر غور کیا جائے تو یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ایک فریق کے نزدیک ترجمۃ القرآن کماحقہ ناممکن ہے اس لیے یہ اصطلاح درست نہیں جبکہ دوسرے فریق کے نزدیک ترجمۃ معانی القرآن کی اصطلاح درست نہیں بایں وجہ کہ یہ اصطلاح غیر مانوس الاستعمال لفظ مرکب اضافی کے قبیل سے ہے مزید برآں اس میں کل یعنی ترجمہ کی اضافت جزء یعنی معانی القرآن کی طرف ہے کیونکہ قرآن تو الفاظ و معانی دونوں کے مجموعہ سے مرکب ہے نیز اس اصطلاح میں مضاف اور مضاف الیہ کے درمیان عدم مغایرت کی وجہ سے یہ اصطلاح عربی محاورہ کے خلاف ہے۔ فریقین کے دلائل پر نظر کرنے سے فریق ثانی کا موقف راجح معلوم ہوتا ہے کیونکہ ترجمہ کا حق ادا نہ ہو سکنا الگ چیز ہے اور بشری استطاعت کے مطابق ترجمہ قرآن کا جواز بلکہ وجوب الگ چیز ہے فریق اول نے ترجمہ کا حق ادا نہ کر سکنے کی بات کی ہے مگر اس حق کی ادائیگی کے لیے ایک مروج، مانوس اور معروف اصطلاح کی بلا وجہ تغلیط کی ہے اس تغلیط کی چنداں ضرورت نہ تھی یہ محض تکلف بارد ہے۔ اسی طرح ترجمہ قرآن کو اگر "ترجمانی" یا "مفہوم القرآن" یا "تفسیری ترجمہ" سے تعبیر کیا جائے تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں یہ تعبیرات اردو زبان کے مروجہ محاورہ سے مطابقت رکھتی ہیں البتہ ترجمۃ معانی القرآن کی اصطلاح محل نظر ہے اس اصطلاح کی نفی میں علامہ زرقانی اور علامہ چشتی کے پیش کردہ دلائل وزنی اور لائق التفات ہیں البتہ ترجمہ کے لغوی مفہوم کو سامنے رکھا جائے تو یہ اصطلاح بھی استعمال کی جاسکتی ہے

حواشی و حوالہ جات

۱۔ نووی، یحیی بن شرف، امام، تہذیب الاسماء و اللغات، مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ، جزء اول، قسم ثانی، ص ۴۱۔

۲۔ عینی، محمود بن احمد، بدر الدین، علامہ، عمدۃ القاری، مطبوعہ دار احیاء والتراث العربی، بیروت، ج ا ص ۸۵☆ ابن اثیر، المبارک بن محمد الجزری، النہایہ فی غریب الحدیث والاثر، مطبوعہ دار احیاء والتراث العربی، بیروت، ج ا ص ۱۸۶☆ زرقانی، محمد عبد العظیم، الشیخ، مناھل العرفان فی علوم القرآن (تحقیق زوار احمد زمرلی)، دار الکتاب العربی، الطبعۃ الاولی، بیروت، ۱۴۱۵ھ، ج ۲ ص ۹۰

۳۔ البخاری، محمد بن اسماعیل، امام، الجامع الصحیح، کتاب الایمان، باب کیف کان بدء الوحی، ج ا ص ۴، رقم الحدیث: ۷۔

۴ سیوطی، جلال الدین، علامہ، التحبیر فی علم التفسیر، مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ، لاہور، ص ۳۳۵۔

۵ دیکھئے: جابر علی سید، معروف محقق، متوفی ۱۹۸۵ء، کتب لغت کا تحقیقی و لسانی جائزہ (مع حواشی و تعلیقات از وارث سرہندی)، مطبوعہ مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۱۹۸۴ء، طبع اول، ص ۴۶۔

۶ الفیومی، احمد بن محمد، علامہ، المصباح المنیر، مادہ، ت، ر، ج، م، مطبوعہ التقدیم العلمیہ، مصر، طبع اول، ۱۳۳۲ھ، ج ا ص ۱۳۸☆ جوہری، اسماعیل بن حماد، الصحاح، مطبوعہ دار العلم بیروت، ۱۹۸۷ء، ج ۵ ص ۱۹۲۷۔

۷ محمد حسین ذہبی، ڈاکٹر، التفسیر و المفسرون، المکتبۃ الاسلامیہ، مصر، ۱۳۹۶ھ، ج ا ص ۲۳۔

8 مناع القطان، الخلیل، ڈاکٹر، مباحث فی علوم القرآن، مطبوعہ مکتبہ نعمانیہ، کوئٹہ، پاکستان، ص ۳۱۳۔

۹ پیر محمد چشتی، علامہ، اصول ترجمہ، مطبوعہ مکتبہ آواز حق، پشاور، پاکستان، ۲۰۱۷ء، ص ۶۸، ۴۳، ۶۹۔

۱۰ علی محمد حسن، ڈاکٹر، الادب وتا ریخہ فی العصرین الاموی وا لعباسی، ادارۃ العامۃ الازھریہ، القاہرہ، ۱۳۹۸ھ، ص ۶۰۔

۱۱ زرقانی، محمد عبدالعظیم، علامہ، مناہل العرفان، دارالکتاب العربی، بیروت، الطبعۃ الاولی، ۱۴۱۵ھ، ج ۲ ص ۹۰۔

۱۲ زرقانی، محمد عبدالعظیم، الشیخ، مناھل العرفان، دارالکتاب العربی، الطبعۃ الاولی، بیروت، ۱۴۱۵ھ، الجزء الثانی، ص ۹۱ مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: ☆جوہری، اسماعیل بن حماد، الصحاح، مطبوعہ دار العلم، بیروت، ۱۹۸۷ء، ج ۵ ص ۱۹۲۸ ☆ابن اثیر، مبارک بن محمد، الجزری، علامہ، النہا یہ، مطبوعہ داراحیاء التراث العربی، بیروت، ج ا ص ۱۸۶ ☆موسیٰ، کامل، علی، دحروج، کیف نفہم القرآن، مطبوعہ دار بیروت المحروسۃ لطباعۃ والنشر، ۱۹۹۲، ص ۱۰۲، ۱۰۳۔

۱۳ محمد حسین ذہبی، التفسیر و المفسرون، ص ۲۶۔

۱۴ مظفر علی، سید، فن ترجمہ کے اصولی مباحث، مشمولہ روداد سیمینار، اردو زبان میں ترجمے کے مسائل، (مرتبہ اعجاز راہی) مطبوعہ، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۱۹۸۶ء، طبع اول، ص ۳۳۔

۱۵ محمد اعلیٰ تھانوی، قاضی، کشاف اصطلا حا ت الفنون، مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور، طبع اول، ۱۴۱۳ھ، ج ا ص ۵۸۷۔

۱۶ احمد خان، ڈاکٹر، قرآن کریم کے اردو تراجم، تاریخی وارتقائی مراحل، مشمولہ فکر و نظر اسلام آباد، جلد ۴۷، شمارہ ۳، جنوری-مارچ ۲۰۱۰ء، ص ۳۔

۱۷ ابن منظور، محمد بن مکرم، جمال الدین، علامہ، لسان العرب، مطبوعہ دارالفکر، بیروت، ج ا ص ۱۲۸، ۱۲۹ ☆سیوطی، جلال الدین، علامہ، ا لاتقان فی علوم القرآن، مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ، لاہور ج ا ص ۱۰۳ ☆راغب اصفہانی، حسین بن محمد، علامہ، مفردات الفا ظ القرآن، مطبوعہ المکتبۃ المرتضویہ، ایران، طبع دوم، ۱۳۴۲ھ، ص ۴۰۲ ☆دیکھئے: زرکشی، بدرالدین، محمد، بن بہادر، امام، البرہا ن فی علوم القرآن (محقق مصطفی عبدالقادر)، دار لکتب العلمیہ، بیروت، ۲۰۱۱ء، طبع دوم، ج ا، ص ۱۵۹۔

۱۸ تفتازانی، مسعود بن عمر، علامہ سعدالدین، التلویح مع التوضیح، مطبوعہ شرکت علمیہ، ملتان، ص ۶۹۔

۱۹ تقی عثمانی، مفتی، علوم القرآن، مطبوعہ مکتبہ دارالعلوم کراچی، ۱۴۳۱ھ، طبع جدید، ص ۲۵۔

۲۰ مناع القطان، مباحث فی علوم القرآن، ص ۲۱۔

۲۱ سرخسی، محمد بن احمد، علامہ، اصول السرخسی، تحقیق ابوالوفاء افغانی، دارالکتب العلمیہ بیروت، ج ا ص ۲۷۹۔

۲۲ جرجانی سید شریف، علامہ، التعریفات، مطبوعہ، قدیمی کتب خانہ کراچی، ص ۱۲۳۔

۲۳ عبدالسلام رسمی، علامہ، تنشیط الاذہان فی اصول تفسیر القرآن، الجامعہ العربیہ لاشاعت التوحید والسنۃ، ۱۴۲۵ھ، ص ۱۲۔

۲۴ الصابونی، محمد علی، علامہ، التبیان فی علوم قرآن، مطبوعہ، اسلامی کتب خانہ، لاہور، ص ۸۔

۲۵ ایضا، ص ۸۔

۲۶ ایضا، ص ۲۰۴، ۲۰۵۔

۲۷ پیر محمد چشتی، اصول ترجمہ، ص ۱۶۹۔

۲۸ مناع القطان، مباحث فی علوم القرآن، ص ۳۱۳، ۳۱۴۔

۲۹ ایضا، ص ۳۱۳۔

۳۰ ایضاً، ص۳۱۴،۳۱۵۔

۳۱ مصباح اللہ عبدالباقی، ڈاکٹر، شاہ ولی اللہ کے فارسی ترجمہ قرآن کی امتیازی خصوصیات (اردو ترجمہ و تلخیص از محمد صادق اختر ندوی)، مشمولہ، ششماہی علوم القرآن، علی گڑھ، ہند، جنوری تا جون ۲۰۱۴ء، جلد ۲۹، شمارہ ۱، ص ۸۶۔

۳۲ مناع القطان، مباحث فی علوم القرآن، ص۳۱۵تا۳۱۷۔☆علامہ صابونی نے ترجمۃالقران کو ترجمہ حرفیہ اور ترجمہ تفسریہ میں تقسیم کیا ہے۔ترجمہ حرفیہ کو ناجائز وغیر صحیح جبکہ ترجمہ تفسریہ ومعنویہ کو جائز قرار دیا ہے۔اور ترجمہ تفسیریہ ومعنویہ سے تفسیر القران اور معانی القران کا ترجمہ مراد لیا ہے اور لکھا ہے کہ فا لترجمۃ فی الحقیقۃ لیست تر جمۃللقرآن وانما ھی تر جمۃ لمعا نی القرآ ن اوترجمۃلتفسیر القرآن نیز ترجمہ حرفیہ کے متعلق لکھا ہے۔وبعض النا س یسمی ھذہ التر جمۃ تر جمۃلفظیۃ۔علامہ صابونی نے ترجمہ تفسیریہ کی پوری تعریف لکھنے کے بعد لکھا ہے "وھذا النو ع یسمی (الترجمۃ الحر فیۃ) اوا لترجمۃالمعنو یۃ"اس عبارت میں الحرفیۃ کالفظ کاتب کا سہو ہے یا مصنف کے تسامح کا نتیجہ ہے اس لفظ کی جگہ لفظ "التفسیریہ "ہونا چاہیے تھا(الصابونی،التبیان فی علوم القرآن،ص۲۰۷،۲۰۵)۔

۳۳۔ رضی الاسلام، ندوی، علامہ، ترجمہ قرآن پر رجحانات و مسالک کے اثرات، مشمولہ ششماہی علوم القرآن، علی گڑھ، ہند، جنوری—جون ۲۰۱۳ء، جلد ۲۸، شمارہ ۱، ص ۳۸۔

۳۴ مصباح اللہ عبدالباقی، ڈاکٹر، شاہ ولی اللہ کے ترجمہ قرآن کی امتیازی خصوصیات، (اردو ترجمہ از صادق ندوی)، مشمولہ ششماہی علوم القرآن، علی گڑھ، ہند، جنوری-جون ۲۰۱۴ء، جلد ۲۹، شمارہ ۱، ص ۸۸۔

۳۵ محمود احمد غازی، محاضرات قرآنی، الفیصل ناشران وتاجران کتب لاہور، طبع پنجم، ۲۰۰۹ء، ص ۴۰۰۔

۳۶ جیلانی کامران، پروفیسر، شعری ادب کے تراجم کے مسائل اور مشکلات، مشمولہ روداد سیمینار اردو زبان میں ترجمے کے مسائل (مرتبہ اعجاز راہی)، مطبوعہ، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۱۹۷۶ء، طبع اول، ص ۲۲۵

۳۷ مناع القطان، مباحث فی علوم القرآن، ص۳۱۶،۳۱۷۔

۳۸ پیر محمد چشتی، اصول ترجمہ، ص۲۲۸،۲۲۹۔

۳۹ محمد شفیع، مفتی، تقریظ مع سحر البیان از اثر زبیری لکھنوی، الحجاز پبلشرز، کراچی، ۱۳۹۶ھ، ص ۲۱ تا ۲۳۔

۴۰ محمد سعید شیخ، برصغیر میں سب سے پہلا منظوم ترجمہ قرآن، مقالہ مشمولہ سہ ماہی فکر و نظر، جنوری—مارچ ۲۰۱۶ء، ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد، جلد ۵۳، شمارہ ۳، ص ۱۱۔

۴۱ محمود احمد غازی، ڈاکٹر، محاضرات قرآنی، الفیصل ناشران وتاجران کتب لاہور، طبع پنجم، ۲۰۰۹ء، ص ۴۰۰۔

۴۲ زرقانی، محمد عبدالعظیم، علامہ، منابل العرفان، ج ۲ ص ۱۱۹۔

۴۳ دیکھیے: محی الدین غازی، ڈاکٹر، اردو تراجم قرآن پر ایک نظر، مشمولہ ماہنامہ الشریعہ، گوجرانوالہ، اگست ۲۰۱۵ء، جلد ۲۶، شمارہ ۸، ص ۳۴۔

۴۴ پیر محمد چشتی، اصول ترجمہ، ص ۴۵۳۔

۴۵ ایضاً، ص ۱۹۵، ۱۰۴۔

۴۶ ایضاً، ص ۱۰۶۔

۴۷ احمد خان، ڈاکٹر، قرآن کریم کے اردو تراجم، تاریخی وارتقائی مراحل، مشمولہ فکر و نظر، اسلام آباد، اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۱ء، جلد ۳۹، شمارہ ۲، ص ۴۔

۴۸ محمد سلیم، ڈاکٹر، ترجمہ قرآن کریم کے مسائل اور ان کا حل، مشمولہ مجلہ الواقعہ کراچی، نومبر-دسمبر ۲۰۱۳ء، اشاعت خصوصی برائے قرآن کریم، سلسلہ نمبر ۲۰-۲۱، ص ۲۵۳۔

۴۹ مودودی، سید ابوالاعلیٰ، دیباچہ تفہیم القرآن، مطبوعہ ادارہ ترجمان القرآن، لاہور، ۱۴۲۶ھ، ج ۱ ص ۱۰۔

۵۰ محمود احمد غازی، محاضرات قرآنی، ص ۴۰۰۔

۵۱ دیکھیے: پیر محمد چشتی، اصول ترجمہ، ص ۶۹، ۷۰۔

۵۲ ابن منظور افریقی، محمد بن مکرم، ابوالفضل جمال الدین، لسان العرب، دارالفکر، بیروت، ج ۱۵، ص ۱۰۶۔

۵۳ ابراہیم انیس، عبدالعلیم منتصر، عطیہ الصوالحہ، محمد خلف اللہ احمد، المعجم الوسیط، داراحیاء التراث العربی، بیروت، طبع ثانی، ۱۳۹۲ھ، جلد ۲، ص ۶۳۳۔

۵۴ سیوطی، جلال الدین، امام، الجامع الصغیر، جلد ۲، ص ۴۶۶، رقم الحدیث ۱۱۴۴۔

۵۵ الطبری، محمد بن جریر، جامع البیان عن تا ویل آی القران، دارالفکر بیروت، ۱۴۰۵ھ، ج ۱، ص ۳۹۔

۵۶ مناع القطان، مباحث فی علوم القرآن، ص ۳۱۵۔

۵۷ عتیق الرحمٰن کیلانی، حافظ، مقدمہ تفسیر القرآن، مطبوعہ، اسلامک پریس، لاہور، ص ۲، ۳۔

۵۸ زرقانی، مناهل العرفان، ج ۲، ص ۱۰۹۔

۵۹ ایضا۔

۶۰ پیر محمد چشتی، اصول ترجمہ، ص ۴۲۴ تا ۴۲۶۔

۶۱ ایضا، ص ۲۴۸۔

۶۲ محمود احمد غازی، محاضرات قرآنی، ص ۴۰۰۔

۶۳ مودودی، دیباچہ تفہیم القرآن، جلد ۱، ص ۶، ۷۔

۶۴ زرقانی، محمد عبدالعظیم، الشیخ، مناهل العرفان فی علوم القر آن، الجزء الثانی، ص ۹۳ تا ۹۵۔

۶۵ مصطفیٰ صادق الرافعی، تاریخ آداب العرب، مطبوعہ، دارالکتاب العربی، بیروت، ۱۹۷۴ء، ج ۲ ص ۱۸۲۔

۶۶ احمد خان ڈاکٹر، قرآن کریم کے اردو تراجم، ص ۱۸۔

۶۷ نووی، محی الدین یحییٰ بن شرف، ابوزکریا، امام، المجموع شرح المهذب، دارالفکر، بیروت، جلد ۳، ص ۳۸۰۔

۶۸ ابن قدامہ، عبداللہ بن احمد، امام، المغنی فی فقہ الا ما م احمد بن حنبل، مطبوعہ، دارالفکر، بیروت، ۱۴۰۵ھ، الطبعۃ الاولی، ج ۱، ص ۶۸۹۔

۶۹ ابن ہمام، کمال الدین، علامہ، فتح القدیر، مطبوعہ، نوریہ رضویہ، سکھر، ج ۱، ص ۴۸۔

۷۰ احمد بن عبدالحلیم ابن تیمیہ، حافظ (تحقیق ناصر بن عبدالکریم عقل)، اقتضاء الصرا ط المستقیم، داراشبیلیا، ریاض، ۱۴۱۹ھ، الطبعۃ الثانیۃ، ص ۵۲۰۔

۷۱ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، الفوز الکبیر (فارسی)، فرید بک ڈپو، دہلی، ہند، ص ۱۶۲۔